ذیشان دانش *

بھرے بھڑولے: پنجابی صوفی شعری روایت کے تناظر میں

’تصوف‘ کا لفظ باب تفعل سے ہے، جس کا مادہ ’ص و ف‘ ہے۔ لفظ ’صوفی‘ کا لغوی معنی ’اونی‘ یا ’اون کا بنا ہوا ہے‘ جب کہ اس کے اصطلاحی معنی ’تصوف کی راہ پر چلنے والا، سادگی اور مخصوص آداب و اصول کا پابند جن سے قرب الٰہی اور اخلاقی اور روحانی بلندی حاصل ہوتی ہے، پاکیزہ نفس آدمی، عبادت گزار بندہ‘۔[۱] جس طرح صوفی اپنی ذاتی زندگی میں پاکیزہ کردار اور اعلیٰ اخلاق کا حامل ہوتا ہے، اس کا اظہار اس کی گفتگو، تحریر اور شاعری سے بھی جھلکتا ہے۔

دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح پنجابی میں بھی صوفی شاعری کی قدیم روایت چلی آ رہی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پنجابی صوفی شاعری کی روایت اپنے اظہار اور اسلوبِ بیان میں بہت شان دار روایت کی حامل ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ بابا فرید (۱۱۷۹ء– ۱۲۶۵ء) سب سے پہلے اور نمایاں پنجابی صوفی شاعر ہیں۔ یعنی پنجابی زبان میں صوفی لٹریچر کا قدیم نمونہ بابا فرید کے دوہے ہیں، جو گرنتھ صاحب میں ملتے ہیں۔ بابا فرید کی شاعری میں دنیا سے بے رغبتی اور مادیت سے دامن چھڑا کر درویشی اور فقر و غنا کا راستہ اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے، کہتے ہیں:

فریدا در درویشی گاکھڑی، چلاں دنیا بھت
بنھ اٹھائی پوٹلی، کتھے ونجاں گھت[۲]

اے فرید، درویشی مشکل کام ہے، میں دنیا دار ہوں، اپنے سر پر (دنیاوی مال و متاع کی) گٹھڑی اٹھائے پھرتا ہوں، (سمجھ میں نہیں آتا) اسے کہاں لے جا کر رکھوں۔

تصوف کے موضوعات کیا ہیں؟ اور صوفی شاعری کن خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ صوفی شاعری اپنے اندر ایک خاص اسلوبِ بیان رکھتی ہے اور تصوف کے موضوعات یا مسائلِ تصوف کا بیان بھی صوفی شاعری کا خاصہ ہے، جیسا کہ غالب نے کہا تھا:

یہ مسائلِ تصوف، یہ ترا بیان، غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا[۳]

تصوف کے موضوعات بہت متنوع ہیں۔ اپنی ذات کی نفی اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اثبات یا دوسرے لفظوں میں اپنی ذات کی پہچان، اس کا خاص موضوع ہے۔ مشہور قول من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا، گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے مطابق، عارفانہ کلام میں اپنی ذات کی کھوج، خدا کی ذات کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ صوفی شاعر اپنے ذاتی روحانی تجربے کی بنیاد پر اپنی شاعری میں اپنے روحانی مشاہدات پیش کرتا ہے۔ دورِ جدید کے مشہور صوفی شاعر واصف علی واصف (۱۹۲۹ء–۱۹۹۳ء) جن کا پنجابی شعری مجموعہ بھرے بھڑولے، نومبر ۱۹۹۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا، وہ لکھتے ہیں:

تسی ہر ہر دے وچ وسدے او
سانوں لا مکانی دسدے او[۴]

(اے خدا) آپ تو ہر انسان کے دل میں بس رہے ہیں، لیکن ہمیں لا مکاں کا پتہ بتا رہے ہیں۔

واصف علی واصف کی زندگی، شاعری، ان کے افکار و خیالات اور تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے زندگی بھر درویشی اور فقر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور مقدور بھر اس کی ترویج کرتے رہے۔ یہ سب باتیں ان کے معاملاتِ روز و شب سے مترشح ہیں۔ ہم ان کے مضامین کا، جو دراصل زریں اقوال پر مشتمل ہیں مطالعہ کریں، ان کی اردو شاعری پڑھیں، ان کی گفتگو پر مشتمل کتب دیکھیں یا

پھر ان کے واحد پنجابی شعری مجموعے بھرے بھڑولے کی شاعری کا اگر بغور جائزہ لیں اور معاصر پنجابی شعری تناظر میں دیکھیں تو اس کی منفرد اور جداگانہ حیثیت سامنے آتی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ پنجابی کی وہ شعری روایت جسے تصوف اور صوفیانہ رجحانات سے گہرا ربط رہا ہے، کم کم شعرا نے اسے آگے بڑھایا۔ واصف علی واصف کا شمار بھی اُن گنے چنے شعرا میں ہوتا ہے، جو طبعاً درویش صفت تھے اور جنھیں روحانی اقدار سے گہری نسبت تھی۔

بھرے بھڑولے کا آغاز نعت شریف سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد فہرست میں 'نظمیں' کے عنوان کے تحت سی حرفی اور گیارہ نظمیں شامل ہیں اور فہرست کے آخر میں 'غزلیں' کے زیرِ عنوان، انہتر (۶۹) غزلیں شامل ہیں۔ اس طرح واصف علی واصف کے پنجابی کلام کا یہ مجموعہ ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ واصف علی واصف کے اس مجموعۂ کلام میں معرفتِ الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مرشد کی اہمیت، فقر کی عظمت، دنیا کی نفی اور راہِ سلوک میں اس کی مذمت اور عقل و عشق کا موازنہ جیسے صوفیانہ موضوعات ملتے ہیں، جو اپنے اسلوبِ بیان میں بھی قلندرانہ رنگ کے حامل ہیں۔

سی حرفی پنجابی ادب کی ایک خاص اور ہر دل عزیز صنف ہے۔ سی حرفی کا مطلب تیس (۳۰) حرفوں والی (شاعری) نظم ہے۔ حروف تہجی کے مطابق اس کے تیس بند ہوتے ہیں اور ہر بند کا پہلا مصرعہ ابجد کے حساب سے ترتیب وار آتا ہے۔ سلطان باہو (۱۶۲۹ء–۱۶۹۱ء) نے پنجابی ادب کو سی حرفی سے متعارف کرایا۔ علاوہ ازیں احمد علی سائیں اور علی حیدر کی سی حرفیاں بھی پنجابی شعری ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہیں، جو عرصہ دراز تک زبان زدِ عام رہیں۔ یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنجابی شعری ادب میں سی حرفی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پنجابی صوفی شاعری کی ابتدا بابا فرید (۱۱۷۹ء–۱۲۶۵ء) سے ہوئی، جنھوں نے اشلوک لکھے۔ زمانی اعتبار سے شاہ حسین (۱۵۳۸ء–۱۵۹۹ء) دوسرے بڑے شاعر ہیں جنھوں نے کافیاں لکھیں۔ اس اعتبار سے سلطان باہو تیسرے بڑے صوفی شاعر ہیں جن کا پنجابی کلام سی حرفی کی صنف میں ملتا ہے۔ بعض محققین گرو نانک (۱۴۶۹ء–۱۵۳۹ء) کو سی حرفی کا پہلا شاعر مانتے ہیں۔ بہرحال سلطان باہو پنجابی زبان کے پہلے صوفی شاعر ہیں، جنھوں نے اس صنف کو اپنے خیالات و افکار کی ترسیل کے لیے بھرپور تخلیقی انداز سے برتا۔ ان کے کلام کا پہلا بند زبان زدِ

عام و خاص ہے، جس میں مرشد کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے جو اپنی ذات کی نفی، اور وجود باری تعالیٰ کے اثبات کا سبق دیتا ہے :

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وِچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاّں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باھو جیں ایہ بوٹی لائی ہو

ا۔ اسم اللہ، جو کہ چنبے کے بوٹے (کی طرح پر مہک ہے) کو میرے دل و جان (کی زمین) میں مرشد کامل نے کاشت کیا۔

۲۔ (میرے من میں بوئے ہوئے اسم ذات کے پودے کے) ہر رگ (و ریشہ) اور ہر مقام پر (لا الہ الا اللہ) کے نفی اثبات کے پانی سے سیرابی ہوئی۔

۳۔ (یہ اسم اللہ ذات) کا پودا (جب نشو ونما پا کر غنچہ آور ہوا تو اس نے میرے) اندر (مَن میں) خوشبو پھیلائی۔

۴۔ (اے) باہو! (خدا کرے) کامل مرشد سلامت رہے جس نے (مَن میں اسم اللہ ذات) کا یہ پودا کاشت کیا ہے۔[5]

واصف علی واصف بھی اپنی ایک غزل کے مطلع میں مرشد کی ضرورت و اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اُڈدی نہیں اساناں اُتے اپنے آپ پتنگ
جیہدے ہتھ چ ڈور اے تیری اوہدیاں خیراں منگ[6]

آسمان پر پتنگ خود بخود نہیں اڑتی
جس کے ہاتھ میں تمھاری ڈور ہے(یعنی مرشد)، اس کی خیر مانگو۔

بھرے بھڑولے میں موجود سی حرفی ابیات کی تعداد اکتیس (۳۱) ہے۔تیس (۳۰) ابیات تو حروف تہجی کے تیس (۳۰) حروف سے شروع ہوتی ہیں اور آخری بیت، مرشد یا محبوب کی نظرِ کرم کے حوالے سے ہے۔اب یہاں سی حرفی کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ کیجیے:

الف اللہ دی رمز انوکھی، عقلاں نال ناں مل دا
عقلاں والا مرد وچارا نامحرم منزل دا

اللہ نیڑے ہوندا اے جد سجدہ ہووے دل دا
واصفؔ یار اللہ نوں لبھنا کم نہیں عاقل دا[۷]

ا۔ الف، اللہ کی رمز (راز) انوکھی رمز ہے، خدا تک رسائی عقل کی مدد سے ممکن نہیں۔
۲۔ عقل پر تکیہ کرنے والا بے چارہ (مسافر) منزل سے نا آشنا ہوتا ہے۔
۳۔ خدا تب نزدیک آتا ہے، جب دل کا سجدہ (تسلیم) ہو۔
۴۔ واصف! خدا کو تلاش کرنا، کسی عقل پرست کے بس کی بات نہیں۔

اس بند میں سفر الی اللہ کے لیے عشق یعنی دل کی اہمیت اور عقل کی نفی کی گئی ہے، کیونکہ عقل کا کام ہی پس و پیش کرنا ہے۔ جیسا کہ اقبال نے کہا تھا:

عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم[۸]
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی[۹]

اب واصف علی واصف کی سی حرفی کا آخری بند ملاحظہ کیجیے، جس میں کتابی نصابی علم کی نفی اور مرشد کی نظروں کو ساری باتوں کی ایک بات کہا گیا ہے، جیسا کہ بابا بلھے شاہ کہہ گئے ہیں کہ 'علموں بس کریں او یار'[۱۰]:

سی حرفیاں نال نہ گل مکدی، مکدی یار دی نظر دے نال اے گل
تسی شروع کرو، تسی ختم کرو، تہاڈی اپنی اپنے نال اے گل
غیر غیراں دے نال پئے گل کردے، اپنے کردے نہیں اپنے نال اے گل
واصف یار انوکھڑی گل مل گئی، اکھاں کردیاں دل دے نال اے گل[۱۱]

ا۔ سی حرفیوں سے بات نہیں بنتی۔ (بلکہ) محبوب کی نگاہِ کرم سے بات مکمل ہوتی ہے۔
۲۔ (اے محبوب) آپ خود ہی تو بات شروع کرتے ہیں اور خود ہی اسے اختتام تک پہنچاتے ہیں، دراصل یہ بات آپ کی (اپنی بات ہے اور) خود اپنے ساتھ ہے۔
۳۔ غیر، غیروں سے باتوں میں مصروف ہیں، لیکن اپنے (اپنوں سے اس قدر قریب ہیں کہ وہ) اپنوں کے ساتھ بات (کرنے کی چنداں ضرورت محسوس) نہیں کرتے۔

۴۔ واصف! میرے ہاتھ میں ایک انوکھی بات آ گئی ہے، کہ (درحقیقت) باتیں تو آنکھیں کرتی ہیں اور وہ دل کے ساتھ کرتی ہیں۔

زبان و بیان کے اعتبار سے اگر اس مجموعے کا جائزہ لیں تو درج ذیل اشعار سے واصف علی واصف کی فکر اور اسلوب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو نہ صرف یہ کہ موضوعاتی تنوع لیے ہوئے ہیں بلکہ ان کی پنجابی شاعری اپنے اسلوبیاتی اور تکنیکی معیار کے اعتبار سے بھی علاحدہ دکھائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس نعتیہ شعر (ص ۱۱) میں ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف ''دھرتی'' اور ''قدیمی'' کے لفظوں کے استعمال سے خاص معنویت پیدا کی ہے بلکہ ''فریاداں'' اور ''فیض'' جیسے لفظوں کو برت کر انسان کی روز ازل کی تکلیفوں اور ان کے ازالے کے لیے کی جانے والی دعاؤں اور ان میں موجود تمناؤں اور آہ و زاریوں کو بھی خوبصورت شعری روپ دے دیا ہے:

ساڈی دھرتی نظر کرم دی ہے محتاج قدیمی
ساڈی فریاداں نوں مولا بخشو فیض اثر دا

ہماری دھرتی، روزِ قدیم سے نظر کرم کی محتاج ہے۔ اے مولا! ہماری فریادیں سنو اور انھیں پُر تاثیر بنا دو۔

اسی طرح اپنی سی حرفی کے ایک بند (ص۱۶) میں کہتے ہیں:

ٹ ٹردیاں ٹردیاں عمر وہائی اجے وی یار نہ ملیا
دلبر ملدا تاں کجھ کھِلدا، دل دا پھُل نہ کھِلیا
شاہ رگ دے وچ یار دا ڈیرا، جگ بھولا کیوں بھُلیا
واصفؔ یار دی زلف دا گُنڈل مرشد باجھ نہ کھُلیا

چلتے چلتے عمر بیت چلی لیکن یار کو نہیں پا سکے۔
اگر یار مل جاتا تو دل کا پھول بھی کھل جاتا۔
یہ دنیا، پتہ نہیں اسے کہاں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ اس کا مقام تو شاہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔
واصف! یار کی زلف کا بل ایسا ہے جو کسی مرشد کے بِنا سنور نہیں سکتا۔

پتہ چلتا ہے کہ اس سی حرفی میں شاہ حسین اور بلھے شاہ اور دیگر صوفی شعرا کی طرح وہ

وحدت الوجودی خیالات موجود ہیں، جن میں بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ خدا (جسے یہاں واصف صاحب نے یار کے استعارے میں بیان کیا ہے) تو شہ رگ کے نزدیک ہے۔ اور یہ تو خود خدا نے کہہ رکھا ہے کہ: نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم بندے کی شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں)۔

اسی بند میں واصف علی واصف نے تصوف میں ایک اور مقام کا ذکر بھی کیا ہے جسے "فنا فی المرشد" کے مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بتایا ہے کہ "مرشد حقیقی" تک پہنچنے کے لیے بھی کسی مرشد کی ہدایت اور رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا کو شہ رگ کے نزدیک بتایا جاتا ہے تاہم اس کا احساس کرنے اور سراغ لگانے کے لیے بھی راہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح آگے چل کر انھوں نے اپنی ایک غزل کے شعر (ص ۷۵) میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

جھُوٹن والے سُتے سوں گئے
خالی پینگھاں لین ہُلارے

اب محض خالی پینگھیں ہی ہلارے لے رہی ہیں، انھیں جھولنے والے ابدی نیند سو گئے۔

یہاں بھی انھوں نے بعض ایسے الفاظ منتخب کیے ہیں جنھیں نہ صرف پنجابی ثقافت سے گہرا علاقہ ہے بلکہ جو اب کہاوت کی شکل اختیار کر گئے ہیں، جیسے "ستے سوں گئے" اب ایک کہاوت ہے۔ اسے انھوں نے جھُوٹن "جھولنے"، پینگھوں "پینگھ" اور ہلارے لین "ہچکولے کھانے" سے ہم آہنگ کر کے ایک عجیب و غریب امتزاج پیدا کیا ہے۔ یعنی کہ جن پینگھوں کو ہم بلا خوف جھول رہے تھے اور ہلارے لے رہے تھے اجل آئی اور انھیں گہری نیندوں میں موت سے ہمکنار کرتی ہوئی چل دی ہے۔ اب محض خالی پینگھیں ہلارے لے رہی ہیں۔ انھیں جھولنے والے نظر نہیں آ رہے۔ یعنی مکان تو موجود ہیں لیکن مکین نہیں رہے۔

یہ وہ شعری معاملات ہیں جو ہمیں واصف علی واصف کے یہاں تواتر کے ساتھ ملتے ہیں اور انھیں ایک جدا اور منفرد لہجے کا شاعر بنا کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ درج بالا باتوں کی روشنی میں زبان و بیان کے اعتبار سے واصف علی واصف کے کلام کی قدر و قیمت محسوس کی جا سکتی ہے۔

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت کچھ پنجابی صوفی شعرا کے مصرعے دیکھیے، جن میں حیرت انگیز حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ کوئی بھی صوفی سنی سنائی بات کو آگے بیان نہیں کرتا، جب تک وہ اس کا ذاتی روحانی تجربہ اور مشاہدہ نہ بن جائے۔ وہ اپنی ایک خاص کیفیت اور حال کو الفاظ کا روپ دیتا ہیں، لیکن اس کا پھر بھی یہ کہنا ہے کہ یہ بات اسی وقت سمجھ میں آتی ہے جب یہ اپنی تن بیتی بن جائے۔یعنی:

جس تن لگیا عشق کمال
ناچے بے سُر تے بے تال[۱۲]

جس تن میں خدا کا عشق لگ جاتا ہے، اس عشق حقیقی کے ساز پر پھر وہ دیوانہ وار ناچتا ہے۔ اسے سُر اور تال کا بھی ہوش نہیں رہتا۔

حقیقت محمدیہؐ کے حوالے سے چند پنجابی صوفی شعرا کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

احد کولوں احمدؐ ہویا، وچوں میم نکالی او یار
احد احمدؐ وچ فرق نہ بلھیا، اک رتی بھیت مروڑی دا
احد تے احمدؐ بن آیا، نبیاں دا سردار
احد دے وچ میم رلایا، تاں کیتا ایڈ پسار[۱۳]

(بابا بلھے شاہ)

وہ احد سے احمد ہو گیا، اور میم کو آشکار کیا
بلھے شاہ! احد اور احمد میں کوئی فرق نہیں، بس ایک ''میم'' کے راز کا فرق ہے۔
(یوں سمجھو کہ) احد سے احمد بن کر وہ نبیوں کا سردار آ گیا!!
جب اس نے احد میں میم کو شامل کیا، تب (کائنات کی تخلیق کا) یہ سارا پھیلاؤ ممکن ہوا۔

حسن ازل دا تھیا اظہار
احدوں ویس وٹا تھی احمد[۱۴]

(خواجہ فرید)

حسنِ ازل، اپنے اظہار کے لیے احدیت سے بھیس بدل کر احمدؐ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

جد الف، لام ملایا، او اللہ بن کے آیا
وچ میم مروڑی جوڑ کے ساڈا بنیا کم جناب[۱۵]

(واصف علی واصف)

جب الف کے ساتھ لام ملا دیا تو وہ (محبوب) اللہ (کا روپ) بن کر آ گیا
صاحبو! پھر اس میں میم کی مروڑی جوڑنے سے ہمارا کام بن گیا (یعنی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر آشکار ہوئی)۔

دراصل تمام صوفیا نے اپنی خلوت کے مشاہدات و تجربات کو جلوت میں عام کیا ہے۔ ان کی تفہیم کے لیے تجربے کی کٹھالی سے گذرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر ناہید شاہد نے اپنے مضمون ''بھرے بھڑولے: صوفیانہ فکر کا تسلسل'' میں واصف علی واصف کے بارے میں لکھا ہے:

> یوں واصف اپنے سے پہلے گذرے بزرگوں کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے صوفیانہ خیالات کی ترسیل کا فریضہ انجام دیتے ہیں ...... اگر مجموعی حوالوں سے دیکھیں تو بابا فرید، شاہ حسین، وارث شاہ، بلھے شاہ، خواجہ فرید اور میاں محمد بخش کے روحانی کلام سے اکتساب کرتے ہوئے واصف نے اپنی پنجابی شاعری کی بوطیقا ترتیب دی ہے۔ روایت سے اپنے مضبوط رشتے کے باوجود ذاتی مشاہدوں اور تجربوں سے عبارت یہ شاعری نئے زمانے میں نئے حوالوں سے بھی عبارت ہے۔[۱۶]

محمد ظہیر بدر اپنے مضمون ''واصف علی واصف دے بھرے بھڑولے'' جو ترنجن میں شائع ہوا، بھرے بھڑولے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اس کتاب کا نام بھرے بھڑولے ظاہر کرتا ہے کہ یہ مجموعہ علم، حکمت اور معرفت کے موتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور جو انسان بھی خوشحالی چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ واصف صاحب کی اردو اور پنجابی شاعری کا مقصد ایک ہی تھا کہ لوگ رب کے رنگوں کو پہچانیں۔ ان کی پنجابی شاعری پڑھ کے پتا چلتا ہے کہ وہ پنجاب کے صوفیہ اور اولیا اور ان کی فکر سے کس قدر متاثر ہیں۔ بھرے بھڑولے میں کلاسیکی شعرا کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری ایک طرف تو پنجابی شعری روایت کے ساتھ گہرے طور وابستہ ہے اور دوسری طرف اپنے عہد کے پنجاب رنگ پر بھی نظر

ڈالتی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانے کے مسائل اور مشکلات کا حل بھی اس میں ہے۔ بھرے بھڑولے کی جملہ شاعری کا مزاج بلھے شاہ، وارث شاہ، شاہ حسین، میاں محمد بخش اور سلطان باہو کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔[۱۷]

بھرے بھڑولے میں وارث شاہ کے حوالے سے دو نظمیں موجود ہیں۔ ایک کا عنوان ''چادر'' ہے، جو رمضان شریف میں منعقد ہونے والے وارث شاہ کے عرس کے موقعے پر پیش ہوئی۔ اس کا پہلا اور آخری شعر ملاحظہ کیجیے:

وارث شاہ نوں کراں سلام پہلوں، کراں پیش عقیدتاں نال چادر
بڑے ادب دے نال تیار کیتی، دسے پیرنوں دلاں دا حال چادر
منگو پاک وطن دی خیر واصف، دیوے سب مصیبتاں ٹال چادر
بنے بات جے کرے قبول سوہنا، وارث شاہ میاں لجپال چادر[۱۸]

پہلے وارث شاہ کی خدمت میں سلام کی عقیدت بھری چادر پیش کرتا ہوں۔
چادر جو میرے اس پیر کو میرے دل کا حال بتا دے، اسے میں نے بڑے ادب کے ساتھ تیار کیا ہے۔
میں اپنے وطن کی ہر دم خیر مانگتا ہوں، اور یہ چادر بھی مصیبتیں ٹالنے میں میری مددگار ہے۔
اگر مجھے شرف قبولیت مل جائے تو میری چادر لجپال چادر بن سکتی ہے۔

دوسری نظم ''وارث شاہ'' میں ان کے مقام و مرتبے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کے بارے میں کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے:

وارث شاہ دے بارے اج بحث چلّی، وارث شاہ دا کیہ مقام ہے جی
وارث مرشداں باجھ نہ سمجھ آوے، گرو والے دا وارث امام ہے جی
رمزاں عشق دیاں کھول کے دسدا اے، وارث شاہ دا عجب کلام ہے جی
نوں ہتھ رسّا سِر گنڈھ مارو، وارث شاہ نوں ساڈا سلام ہے جی[۱۹]

یہ بحث چلی کہ وارث شاہ کا مقام کیا بنتا ہے؟
جس کا کوئی گرو ہے اور مرشد ہے، وارث شاہ صرف اسی کو سمجھ آ سکتا ہے
وہ عشق کی رمزیں کھول کر بتاتا ہے، اس کا کلام، کلامِ عجیب ہے

وارث شاہ ہمیشہ نتیجہ خیز بات کرتا، ایسے عظیم شاعر کو ہمارا سلام

واصف علی واصف کا پنجابی مجموعۂ کلام بھرے بھڑولے تصوف اور معرفت کے رنگوں سے مزین ہے، جس کا مرکزی موضوع عشق ہے۔ اسے اپنی زبان و بیان، متصوفانہ موضوعات اور قلندرانہ اسلوب کی وجہ سے ہم عصر پنجابی شاعری کے مقابلے میں منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے اور یہ پنجابی صوفی شاعری کی کلاسیکی روایت سے معنوی اور حقیقی طور پر منسلک و مربوط ہے۔

مقالے کے آخر میں واصف علی واصف کے پنجابی کلام کے مجموعے بھرے بھڑولے میں صوفیانہ فکر کے تسلسل اور خاص وجدانی اسلوبِ بیان کو واضح کرنے کے لیے غزلیات میں سے چند مثالیں دی جارہی ہیں۔غزلوں میں بھی ان کے ہاں رمز و کنایہ میں گہری باتوں کا اظہار ملتا ہے۔ انھوں نے علامتوں، استعاروں اور تمثیلوں کے پردے میں حقیقت کا نہ صرف خود مشاہدہ کیا، بلکہ اہل ذوق کو بھی اس میں شامل کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ سسی، رانجھا اور منصور کی رمز کو ہجر و وصال کے صوفیانہ مفہوم تک رسائی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔غزلوں میں سے نمونے کے کچھ اشعار:

میرے دل وچ پے گیا شور
میرا وی ناں رکھو ہور
جس دی یاد اے ساڈے دل وچ
اوہدی ساڈی اکو گور[۲۰]

میرے دل میں (محبوبِ ازلی کے نام کا) شور مچ گیا ہے۔ اس لیے اب میرا بھی نام کچھ اور رکھ دو۔ (یہاں فقیری میں نسبی نام سے حسبی نام کی طرف ہجرت کرنے کا اشارہ ہے ۔ بابا بلھے شاہ نے بھی اپنے مرشد سے نسبت کے لیے کہا تھا: جیہڑا سانوں سید سدے، دوزخ ملن سزائیاں / جو کوئی سانوں رائیں آکھے، بہشتیں پینگھاں پائیاں)۔

جس کی یاد ہمارے دل میں ہے، اس کی اور ہماری قبر ایک ہی ہے۔ (محبّ اپنے محبوب کی عاقبت میں شامل ہے)۔

سسی کوکے، تتے تھل
سوہنیاں ربا پُنوں گھل[۲۱]

سسی تپتے ہوئے صحرا میں فریاد کناں ہے
اے میرے سوہنے رب! میرے پنّوں (محبوب) کو میری طرف لوٹا دے۔

راہ کھوجو اپنے اندر دا
کوئی وِرلا موتی لے تَر دا
کیہ جانیا سی توں واصفؔ نوں
ہن رگڑا کھا قلندر دا[۲۲]

اپنے اندر (باطن) کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرو
خال خال لوگ ہی ہوتے ہیں جو موتی (باطن میں پوشیدہ گوہرِ معنی) ڈھونڈ لے آتے ہیں۔
تم نے واصفؔ (قلندر) کو آخر کیا سمجھ رکھا تھا
اب قلندر کا رگڑا دیکھو! (قلندر کے جلال کا مظاہرہ دیکھو)

اپنی بحث کو مقالے کے موضوع، یعنی واصف علی واصف کی پنجابی صوفی شاعری تک محدود رکھتے ہوئے یہاں پر ان کے اردو نثر اور نظم کے کام سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ تاہم ان کے اردو شعری مجموعے شب چراغ میں انھوں نے پنجابی زبان کے سب سے قدیم صوفی شاعر بابا فرید سے اپنی نسبت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کیوں نہ ہو وردِ زباں واصف علی نامِ "فریدؒ"
گوشۂ دل پر لکھا گنجِ شکر بابا فریدؒ[۲۳]

واصف علی واصف کی اردو نثر اور شاعری میں موجود متصوفانہ افکار و خیالات اور اسلوبِ نثر کی سلاست، روانی اور ایجاز و اختصار کا مطالعہ اور جائزہ الگ موضوعِ بحث کا متقاضی ہے۔

[اس مقالے میں پنجابی اشعار کا ترجمہ ڈاکٹر اظہر وحید صاحب (مرید واصف علی واصف صاحب) اور زاہد حسن (ریسرچ ایسوسی ایٹ، لمز، لاہور) کی مدد سے کیا گیا ہے، جس کے لیے مَیں ان اصحاب کا بہت ممنون ہوں۔]

حواشی و حوالہ جات

* ریسرچ ایسوسی ایٹ (Research Associate)، گرمانی مرکز زبان و ادب، لاہور یونی ورسٹی اوف مینجمنٹ سائنسز، لاہور۔

۱۔ مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید (لاہور: ادارۂ اسلامیات، جون ۲۰۰۱ء)،ص۹۵۲۔

۲۔ محمد آصف خاں (مرتب)، آکھیا بابا فرید نے (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۰۹ء)،ص ۱۴۵۔

۳۔ میرزا اسداللہ خاں غالب، دیوان غالب (نسخۂ عرشی)، مرتب امتیاز علی خاں عرشی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء)،ص ۱۸۷۔

۴۔ واصف علی واصف، بھرے بھڑولے (لاہور: کاشف پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)،ص ۱۰۹۔

۵۔ سلطان الطاف علی (مرتب)، ابیات باہو (لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، س ن)،ص۶۳۔

۶۔ واصف علی واصف، بھرے بھڑولے ،ص ۶۸۔

۷۔ ایضاً،ص ۱۵۔

۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۹ء)،ص ۳۸۹۔

۹۔ ایضاً،ص۳۱۰۔

۱۰۔ محمد آصف خاں (مرتب)، آکھیا بلھے شاہ نے (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۱ء)،ص ۲۲۷۔

۱۱۔ واصف علی واصف، بھرے بھڑولے ،ص ۲۵۔

۱۲۔ محمد آصف خاں (مرتب)، آکھیا بلھے شاہ نے ،ص ۱۵۹۔

۱۳۔ محمد آصف خاں (مرتب)، آکھیا بلھے شاہ نے ،ص ۴۵۔

۱۴۔ محمد آصف خاں (مرتب)، آکھیاخواجہ فرید نے (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۹ء)،ص۸۹۔

۱۵۔ واصف علی واصف، بھرے بھڑولے ،ص۵۴۔

۱۶۔ ناہید شاہد، ''بھرے بھڑولے : صوفیانہ فکر کا تسلسل''، سہ ماہی واصف خیال مجلّہ نمبر۴ (جون ۲۰۰۹ء)،ص ۶۸۔

۱۷۔ محمد ظہیر بدر، ''واصف علی واصف دے بھرے بھڑولے''، ترنجن، جلد ۱۰، شمارہ ۴–۶ (جولائی–دسمبر ۲۰۱۶ء)،ص ۶۴۔

۱۸۔ واصف علی واصف، بھرے بھڑولے ،ص ۲۶، ۲۷۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۲۸۔

۲۰۔ ایضاً،ص ۹۱۔

۲۱۔ ایضاً،ص ۹۶۔

۲۲۔ ایضاً،ص۱۰۳۔

۲۳۔ واصف علی واصف، شب چراغ (لاہور: کاشف پبلی کیشنز، س ن)،ص۴۴۔

مآخذ

اقبال، محمد۔ کلیات اقبال اردو ۔لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۹ء۔

بدر، محمد ظہیر۔ ''واصف علی واصف دے بھرے بھڑولے''۔ ترنجن، جلد ۱۰، شمارہ ۴–۶ (جولائی–دسمبر ۲۰۱۶ء): ص ۶۴–۷۱۔

خاں، محمد آصف (مرتب)۔ آکھیا بابا فرید نے ۔لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۰۹ء۔

______۔ آکھیا بلھے شاہ نے ۔لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۱ء۔

______۔ آکھیا خواجہ فرید نے ۔لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۹ء۔

شاہد، ناہید۔ ''بھرے بھڑولے: صوفیانہ فکر کا تسلسل''۔ سہ ماہی واصف خیال مجلّہ نمبر ۴ (جون ۲۰۰۹ء): ۶۴–۶۹۔

علی، سلطان الطاف (مرتب)۔ ابیات باہو ۔لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، س ن ۔

غالب، میرزا اسد اللہ خاں ۔ دیوان غالب (نسخۂ عرشی)۔ مرتب امتیاز علی خاں عرشی ۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء۔

کیرانوی، مولانا وحید الزماں قاسمی ۔ القاموس الوحید ۔ لاہور: ادارۂ اسلامیات، جون ۲۰۰۱ء۔

واصف، واصف علی ۔ بھرے بھڑولے ۔لاہور: کاشف پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

______۔ شب چراغ ۔ لاہور: کاشف پبلی کیشنز، س ن۔